جناب ابوسلمان شاہجہان پوری

ہندوستان میں تاریخ دعوت اسلامی کا ایک باب

مولانا ابوالکلام آزاد اور تحریک نظم جماعت

جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس دہلی

۱۹۲۰ء میں جمعیۃ العلماء ہند کا جو اجلاس دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ کی صدارت میں ہونے والا تھا۔ اس میں امیر الہند کے انتخاب کا مسئلہ بھی زیر غور تھا لیکن حضرت شیخ الہندؒ کی شدید علالت کی وجہ سے یہ مسئلہ ملتوی کر دیا گیا۔ اس وقت اگرچہ شیخ الہندؒ مولانا آزادؒ کے حق میں اپنی رائے کا اظہار فرما چکے تھے۔ اس کے باوجود اس شیخ الکل اور مجاہد فی سبیل اللہ سے عامۃ المسلمین اور علمائے وقت کے قلوب وارواح کی وابستگیوں اور عقیدتوں کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ اجلاس ختم ہوئے ابھی ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے رحلت فرمائی۔ اس سانحہ عظیم کے بعد علمائے دیوبند اور جمعیۃ العلماء کا عام رجحان مولانا آزاد کی جانب تھا۔ انہی دنوں جب بعض اطراف وجوانب سے مولانا کی مخالفت کی گئی اور اللہ

ٹ اسی زمانے میں بدایوں سے نظام شیخ الاسلامی کے قیام کی ایک تحریک اٹھی۔ کانپور سے اس کی پرجوش تائید کی گئی۔ لکھنؤ سے اس کی حمایت ومعاونت کا اطمینان حاصل کیا گیا۔ اور بدایوں یا لکھنؤ میں اس کے مراکز کے قیام کے ساتھ پنجاب، بہار اور یوپی کے صوبوں میں تنظیم کے قیام کے منصوبے بنائے گئے اور بلاشبہ جذبات کی کمی نہ تھی لیکن چونکہ اس مسئلے کی واقعی اہمیت وحقیقت اور مشکلات راہ وضروریات سفر کا کوئی بھی نکتہ شناس نہ تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قافلے نے منزل مقصود کی طرف سفر شروع بھی نہ کیا تھا کہ اس کے اعضاء وارکان منتشر و متفرق ہونا شروع ہوگئے۔

بقول مولانا بلا سبب اختلاف جدل پیدا کر دیا گیا۔ تو مولانا نے یہ ذمہ داری جمعیۃ العلماء ہند کے سپرد کر دی۔ چنانچہ دہلی میں جمعیۃ کی مجلس شوریٰ کا ایک خاص اجلاس اس کے تصفیے کے لیے بلایا گیا۔ اس میں نہ صرف یہ کہ نظام جماعت کے کام کو جمعیۃ کے مقاصد کار میں شامل کر لیا گیا، یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ جمعیۃ کا آئندہ سالانہ اجلاس مولانا ابو الکلام آزاد کی صدارت میں لاہور میں منعقد کیا جائے۔ شوریٰ کا یہ فیصلہ فی الحقیقت دعوت و تنظیم کے کام میں مولانا آزاد پر اظہار اعتقاد، ان کی رائے اور مساعی سے اتفاق اور انہیں اپنے پورے تعاون کا یقین دلانا تھا۔ حالات و مصالح امت کی بنا پر یہ فیصلہ نہایت اہم تھا۔ اگر جمعیت یہ فیصلہ نہ کرتی تو اس کی دینی و سیاسی بصیرت اور سعی و عمل کے میدان میں قیادت کے بارے میں شبہ کیا جا سکتا تھا۔

جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس لاہور

شوریٰ کے فیصلے کے مطابق نومبر ۱۹۲۱ء میں لاہور میں مولانا آزاد کی زیر صدارت جمعیت کا عظیم الشان سالانہ اجلاس ہوا۔ مولانا نے اس موقع پر جو خطبہ صدارت پیش کیا وہ ان کی دینی بصیرت اور سیاسی تدبر کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ مولانا کا یہ پورا خطبہ جمعیۃ کے مقاصد کار اور تنظیم جماعت کی ضرورت و اہمیت کے تعارف و تشریح پر مشتمل ہے۔ مولانا کے خطبہ صدارت کے ایک ایک حرف سے اتفاق کیا گیا۔ اور امارت شرعیہ فی الہند کے قیام کی تجویز منظور کر لی گئی اور امیر شریعت کے اصول و شرائط منضبط و منظور کر لیے گئے۔ حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر میں مولانا کے خیالات کی توثیق فرمائی۔

ضروری اطلاع

ماہنامہ ترجمان الحدیث کی پہلی جلد آئندہ شمارہ (اکتوبر) سے مکمل ہو رہی ہے۔ جن خریداروں کی مدت خریداری اکتوبر تک ہے وہ آئندہ سال کے لیے چندہ ارسال کریں نیز جلد کا جو پرچہ نہ ملا ہو دفتر سے طلب کر سکتے ہیں۔

جن ایجنسیوں کی رقم بقایا ہے وہ بھی اپنا سابقہ حساب بے باق کریں۔

(ناظم دفتر ترجمان الحدیث)

مولانا کی اصابت رائے اور منصب امامت کے لیے اُن کی اہلیت کا صاف صاف اعتراف کیا اور کہا کہ:

امام الہند کے لیے جو شرائط ضروری ہیں وہ سب مولانا آزاد میں موجود ہیں اور یہ کردہ انہیں "امام الہند" تسلیم کرتے ہیں۔

اجلاس کے فیصلے

مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ:

"لاہور میں دیوبند کی جماعت کے سربرآوردہ حضرات مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا شبیر احمد (عثمانی) مولانا حبیب الرحمان (دیوبندی) وغیرہ نے مولانا ابوالکلام آزاد کی امامت کی بیعت کے ساتھ رضامندی کا اعلان کر دیا تھا مگر بات اعلان سے آگے نہ بڑھی"

بات آگے نہ بڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس اجلاس میں ایک کمیٹی "امارت شرعیہ فی الہند کے بعض امور کی تشریح و تسوید کے لیے مقرر کر دی گئی تھی جسے جلد از جلد اپنی رپورٹ پیش کرنی تھی اور ایک ماہ بعد ایک خصوصی اجلاس میں مجلس کے مسودہ کی منظوری اور انتخاب امیر الہند ہونا طے پایا تھا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت حکومت نے کل ہند پیمانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا آزاد اجلاس لاہور سے فراغت کے بعد بمبئی اور دیگر مقامات پر سے ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے ہی تھے کہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ پنجاب، دہلی، دیوبند، یوپی، بہار اور بنگال کے سینکڑوں علماء گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیے گئے ساتھ ہی یہ مشہور کیا گیا کہ مجلس تسوید کا جو اجلاس ہونے والا تھا اسے ملتوی کر دیا گیا ہے۔ حالات بھی بظاہر اس کے مؤید تھے متعدد حضرات اس دھوکے میں آگئے لیکن اس کے باوجود بعض علمائے کرام اور زعمائے ہند شلاً حکیم محمد اجمل خاں مرحوم اور مولوی ظہور احمد مرحوم سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ، مقررہ تاریخ کو جمع ہوئے اور اگرچہ ارکان کی رسمی تعداد جمع نہیں ہو سکی لیکن حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حاضرین نے پوری دل سوزی اور غور و فکر کے بعد ایک مسودہ مرتب کر لیا لیکن چونکہ جمعیت و خلافت کے اکابر اور دیگر زعماء گرفتار تھے اس لیے مجوزہ خصوصی اجلاس جمعیۃ کے انعقاد کا موقع باقی نہیں رہا تھا اس لیے امیر الہند کے انتخاب کی نوبت نہیں آسکی [1]

---

[1] نظم جماعت یا امارت شرعیہ فی الہند کے قیام کے سلسلے میں جمعیۃ العلماء ہند کا کردار نہایت شاندار رہا ہے

(باقی اگلے صفحے پر)

جماعتی زندگی میں اضمحلال اور اختلافات کا ظہور

جنوری ۱۹۲۳ء میں جب مولانا ایک سال کے بعد رہا ہوئے تو اس مسئلہ کی طرف پھر توجہ کی لیکن تحریک موالات کی سرگرمیاں جوں جوں سرد پڑتی گئیں اختلافات رونما ہونے لگے۔ معمولی معمولی باتوں نے شدید نزاع کی صورت اختیار کرلی اور جو دن آیا اس میں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات بڑھتے ہی گئے۔ مسلمانوں کی جماعتی زندگی میں روز بروز افسردگی، بے دلی، بدنظمی اور انتشار بڑھتا گیا۔ اس صورت حال کا مولانا کو شدید احساس تھا۔ تنظیم جماعت کے کام میں دن بدن مشکلات بڑھتی جارہی تھیں لیکن مولانا جماعتی زندگی کے قیام کی ضرورت سے غافل نہیں تھے۔ وہ برابر کام کو آگے بڑھا رہے تھے اور اصحاب علم کو اس کی طرف متوجہ کر رہے تھے۔

صدائے درد انگیز

اپریل ۱۹۲۶ء میں منعقد ہونے والے مرکزی خلافت کمیٹی کے ایک جلسہ کی تحریک کے سلسلہ میں مولانا سید سلیمان ندوی کے نام خط میں لکھتے ہیں۔

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) اگرچہ جمعیت قیام نظام امارت کے مقصد میں کل ہندپیمانے پر کامیاب نہیں ہوسکی لیکن وہ اس کی ضرورت واہمیت، اس کے قیام کی کوشش سے غافل کبھی نہیں رہی۔ اس کے اجمیر، دہلی، مرادآباد وغیرہ کے سالانہ اجلاس کے اہم مسائل میں یہ مسئلہ سرفہرست رہا ہے۔ حتیٰ کہ تقسیم ملک کے بعد جمعیۃ و دیوبند کے اکابر نے اس مسئلے کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا۔ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ نے حکیم محمود احمد برکاتی سلمہ کے نام ۱۹۵۱ء کے ایک خط میں لکھا ہے کہ "زوال حکومت کے بعد والی امارت کی ضرورت اب بھی باقی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اتفاقاً مولینا ابوالکلام کی شکل میں ایک ایسی ہستی مسلمانوں میں موجود ہے جو اس منصب کے لیے موزوں ترین شخصیت ہوسکتے ہیں۔" لیکن جمعیۃ العلماء کی راہ کی مشکلات بھی نہایت شدید تھیں۔ اسے ہر روز جس تلاطم حوادث سے گزرنا اور جن حالات و شدائد سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ اس کا ہم دور افتادگان اور سبک ساران حال اندازہ ہی نہیں کرسکتے۔ مجبوراً جمعیۃ کو صرف ان مقاصد کار پر اکتفا کرلینا پڑا جو جمعیت کے دائرے کار کے اندر رہ کر انجام دے سکتے تھے۔ یہاں چونکہ مولینا آزاد کے تعلق سے تحریک نظم جماعت ہمارا موضوع ہے اس لیے جمعیت کی مساعی حسنہ کی تفصیلات سے گریز کرنا پڑا

"ملک کی مایوسی اور بدنظمی انتہائی درجے تک پہنچ چکی ہے اور ان تمام لوگوں کے لیے جو صورتِ حال کا احساس رکھتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں سے بے خبر نہیں ہیں، ایک فیصلہ کن سوال پیش آگیا ہے۔ ضروری ہے کہ موجودہ معلق اور منتظر حالت ختم کر دی جائے اور ایک آخری فیصلہ ہو جاتے تو بس چاہیے کہ جلد از جلد سعی و عمل کا قدم اٹھائیں اور مسلمانانِ ہند کی جماعتی زندگی کو ایک سخت تاریک مستقبل سے بچالیں۔ یا پھر ایک مدت دراز کے لیے ان تمام مخفی امیدوں سے دستبردار ہو جائیں، جن کے رکھنے اور پرورش کرنے کے ہم آج تک مدعی رہے ہیں۔"

مسئلہ حجاز اور خلافت کمیٹی میں اختلاف

مولانا آزاد نے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو ایک جماعتی نظم کے تحت زندگی بسر کرنے کی دعوت دی لیکن ۱۹۲۰ء کی حرکت کے بعد جو ردِ فعل ظہور میں آیا۔ اس سے جماعتی قویٰ کا نظم اور دماغی انضمام آنا بھی باقی نہیں رہا جو اس سے پہلے تھا۔ خود خلافت کمیٹی جس کے مولانا صدر تھے دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک ابن سعود کے ملک الحجاز بن جانے کا حامی یا سلطان کے اعلانِ ملوکیت کے بعد اپنے سامنے کوئی راہِ عمل نہ پاکر اور بربنائے مصلحت خاموشی اور صورتِ حال کو قبول کر لینے کو بہتر سمجھتا تھا۔ دوسرا فریق اس صورتِ حال سے نمٹنے کی کوئی راہ نہ پاکر بھی سلطان کی مخالفت پر کمربستہ تھا۔ مولانا ظفر علی خاں فریقِ اول کے سہو خیل تھے اور دوسرا فریق مولانا محمد علی جوہر کی رہنمائی میں کمربستہ تھا۔ زمیندار اور ہمدرد کی جنگ (۱۹۲۶ء) میں وجہ نزاع یہ مسئلہ تھا۔ یہ جنگ شروع سال اور آخر سال میں دو مرتبہ زور و شور کے ساتھ چھڑی اور کئی کئی مہینے تک جاری رہی۔ مولانا آزاد نے اس کے ختم کرانے میں کافی حصہ لیا۔

بائیس برس کی شکوہ سنجی

یہ انتشار و تشتت، ۱۹۲۶ء میں تھا اس کے بعد جو دن آیا مسلمانوں کے جماعتی قویٰ میں اضمحلال پیدا ہوتا گیا اور ثابت ہو گیا کہ مسلمان ذاتی، گروہی اور فرقہ داری خیالات سے بلند ہو کر ایک اجتماعی نصب العین کے تحت عظیم تر مقاصد و مصالح ملی کے لیے کام نہیں کر سکتے۔ اس طرح اگرچہ تنظیم جماعت کا کام شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا لیکن یہ خیال مولانا کے ذہن سے کبھی نہیں نکلا۔ وہ ہمیشہ اس کے شکوہ سنج اور ماتم گسار رہے ہیں۔ ہم نام اور اپنے خلیفہ مجاز مولانا محی الدین احمد قصوری کے نام جماعت والتزام جماعت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :-

"کاش کہ ہندوستان میں مسلمان کوئی ایسا نظام قائم کرتے جو ناقص معنوں ہی میں حقیقت جماعت کا رنگ پیدا کر سکتا...... جماعت والتزام جماعت کا آپ نے شکوہ کیا بھی تو اسی نامراد سے جو بائیس برس سے اسی حقیقت کے لیے شکوہ سنج رہا ہے۔"

مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار

یہ صدائے دردانگیز مختلف موقعوں پر اور مختلف ضمنوں میں بلند ہوتی رہی۔ ۱۹۲۴ء کے اواخر میں جب مولانا نے بالی گنج کلکتہ کی جامع مسجد میں مسلمانانِ کلکتہ کے اصرار سے مجبور ہو کر نمازِ جمعہ کی امامت قبول فرمائی اور خطبات کا سلسلہ شروع کیا تو ان تمام خطبات میں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا وہ جماعتی زندگی اور اس کے اعمال وامتیازات اور خصائص ہیں۔ مولانا نے ان کے ترک کر دینے کو مسلمانوں کے تنزّل کا سبب اور ان کے اختیار کر لینے کو ان کے کھوئے ہوئے وقار کی واپسی کا علاج بتایا ہے۔ دسمبر ۱۹۲۵ء میں خطبہ عید الفطر میں مولانا نے فرمایا:-

"احکام شریعت پر کامل ۳۵ سال تک میں نے پوری طرح غور وخوض کیا اور اس ۳۵ سال کے عرصے میں شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جس کی کوئی صبح، کوئی شام اس فکر سے خالی گزری ہو اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ واضح شریعت کا منشا یہ ہے کہ اس کے احکام ایک جماعتی نظام کے ماتحت اجرا پائیں لیکن مسلمانوں نے اس جماعتی نظام کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔"

اسی خطبہ میں کس حسرت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

"کاش مجھ میں ایسی قوت ہوتی یا وہ شے ہوتی جس کی مدد سے میں تمہارے مقفّل قلوب کے پٹ کھول سکتا تاکہ میری آواز تمہارے کانوں میں نہیں بلکہ دل میں سما سکتی اور تم اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکتے۔"

حرفِ آخر

اس کے بعد بھی مولانا نے کسی چھوٹے سے چھوٹے پیمانے پر اور قصبے اور شہر کی سطح پر مسلمانوں کو تنظیم

ل تبرکات آزاد میں اس خط کی جگہ ۲۵ء اور ۲۷ء کے درمیان میں ہے لیکن اس میں مولانا نے ۲۲ برس کی شکوہ سنجی کا ذکر کیا ہے اور ۱۹۱۴ء میں جب کہ مولانا نے یہ دعوت دی تھی، ۲۲ جمع کر دیے جائیں تو ۱۹۳۶ء ہوتے ہیں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ یہ خط ۱۹۳۶ء کا لکھا ہے۔

جماعت قائم کر لینے کی طرف توجہ دلائی کہ یہ بھی کسی نہ کسی حد تک مفید تھا لیکن مسلمانوں کی غفلت اور ان کا منشاء الیانہ تھا کہ وہ اس دردمندِ ملت کی آواز پر توجہ دیتے۔ مسلمانوں نے ان کی دعوت کا جواب اعراض و انکار سے دیا۔ مولانا اپنا فرض ادا کر کے اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے لیکن مولانا کی دعوت، وقتی حالات و مصالح پر مبنی نہیں تھی اس کی بنیاد قرآن حکیم کی تعلیماتِ حقہ اور معارف و حقائقِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے اسرار و حکم پر قائم تھی۔ اس لیے اس کی ضرورت لازمی اور اس کی اہمیت دائمی ہے۔ مولانا کو ہم سے رخصت ہوئے بارہ سال گزر چکے ہیں لیکن یہ صدائے دردانگیز اب بھی فضا میں گونج رہی ہے۔ کاش مسلمان خصوصاً اصحابِ علم اس پر توجہ فرمائیں

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

کتب ماخذ و حوالہ جات

اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتاب و رسائل خاص طور پر پیش نظر رہے ہیں۔

۱۔ ابوالکلام آزاد "مسئلہ خلافت"، مطبوعہ مکتبہ احباب، لاہور

۲۔ ابوالکلام آزاد "خطبہ صدارت تحریری، جمعیۃ العلماء ہند" منعقدہ لاہور ۱۹۲۱ء مطبوعہ قومی دار الاشاعت میرٹھ۔

۳۔ غلام رسول مہر، مولانا، "نقشِ آزاد" مطبوعہ کتاب منزل، لاہور، ۱۹۵۹ء

۴۔ مہر، مولانا غلام رسول، "تبرکات آزاد"

۵۔ سیف صدیقی "خطبات جمعات و عیدین" مطبوعہ ... بک ایجنسی لاہور

۶۔ ابوسلمان شاہجہان پوری "مکاتیب ابوالکلام آزاد" اردو اکیڈمی سندھ، کراچی

۷۔ محمد طفیل "خطوط نمبر" "نقوش" لاہور مطبوعہ ادارہ فروغ اردو لاہور ۱۹۶۸ء

۸۔ احمد سعید ملیح آبادی "آزاد ہند کلکتہ" ملیح آبادی نمبر مطبوعہ دفتر آزاد ہند، کلکتہ، ۱۹۶۰ء

۹۔ عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا۔ "ذکر آزاد" مطبوعہ دفتر آزاد ہند کلکتہ ۱۹۶۰ء

۱۰۔ عبدالصمد رحمانی، مولانا، "تاریخ امارت" مطبوعہ دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ، ۱۳۶۲ھ

۱۱۔ معین الحق، سید، "بصائر" کراچی دائرۃ المعارف کراچی ۵۔ ۱۹۶۷ء